اساس الاتحاد

از
سیدنا حضرت میرزا بشیر الدین محمود احمد
خلیفۃ المسیح الثانی

بہ طرف جملہ ممبرانِ استقبالیہ کمیٹی مسلم لیگ و نمائندگانِ اجلاس مسلم لیگ ۱۹۲۴ء

(یہ مضمون مسلم لیگ کے اجلاس منعقدہ لاہور میں ۲۳- مئی ۱۹۲۴ء کو پڑھا گیا)

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ

خدا کے فضل اور رحم کے ساتھ ھُوَالنَّاصِرُ

اَلسَّلَامُ عَلَیْکُمْ- آپ لوگ اس وقت مسلم لیگ کے اجلاس کے لئے جمع ہوئے ہیں اور آپ کے سر پر قومی مفاد کی نگہبانی کے اہم فرض کا بوجھ صبر آزما طور پر رکھا ہوا ہے۔ آپ کی غلطی کروڑوں مسلمانوں کی ٹھوکر کا موجب اور آپ کا صحیح رائے قائم کرنا کروڑوں کی ہدایت اور آرام کا موجب ہو سکتا ہے۔ پہلوں نے غلطی کی اور آج تک مسلمان اس کا خمیازہ بھگت رہے ہیں۔ آپ لوگ اگر غلطی کریں گے تو تکلیف قریباً لاعلاج ہو جائے گی اور مسلمانوں کا پیالۂ عمل کناروں پر سے اُچھل پڑے گا۔

چونکہ باوجود اس کے کہ ہماری جماعت کی نسبت عموماً اور میری نسبت خصوصاً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ ہمیں مسلمانوں کی عام سیاسی حالت سے دلچسپی نہیں ہے اور ان کے مصائب کو ہم بے پرواہی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں ہمارے دل مسلمانوں کی تکالیف کو دیکھ کر زخمی ہیں اور ان کی مشکلات کو معائنہ کر کے خون کے آنسو بہاتے ہیں اور چونکہ مجھے کارکنان مسلم لیگ نے شمولیت کی دعوت بھی دی ہے میں یہ چند سطور لکھ کر بطور مشورہ آپ لوگوں کی خدمت میں اپنے نمائندوں کے ذریعے سے اور اس مطبوعہ چٹھی کے ذریعہ سے پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں

کہ جس اخلاص کے ساتھ یہ مشورہ دیا گیا ہے اسی اخلاص سے آپ لوگ اس پر غور فرمائیں گے۔

اے احبّاءِ کرام! اس وقت جن سوالوں پر آپ لوگ جمع ہوئے ہیں ان میں سے اہم سوال مسلمانوں کے قومی حقوق کی نگرانی اور ہندو مسلم اتحاد کے سوال ہیں اور انہی سوالوں کے متعلق میں اپنے مشورہ کو محدود رکھنا چاہتا ہوں۔

پہلا سوال یہ ہے کہ مسلمان بحیثیت قوم کس طرح محفوظ رہ سکتے ہیں اور ملک کی سیاست میں اپنے طبعی مقام کو کس طرح قائم رکھ سکتے ہیں؟ میرے نزدیک اس سوال کا جواب سوچنے کے لئے ہمیں بہت غور کی ضرورت نہیں دنیا کی اقوام پر ایک سرسری نگاہ ڈال کر ہم اس امر کو بآسانی سمجھ سکتے ہیں کہ کسی قوم کے اپنے مقام پر رہنے کی صرف ایک صورت ہوتی ہے اور وہ یہ کہ وہ اپنے آپ کو خود قائم رکھے۔ وہ قوم جو اپنے وجود کو خود مٹاتی ہے اس کا ہرگز حق نہیں کہ وہ زندہ رہے اور وہ ہرگز زندہ نہیں رہ سکتی۔ پس اگر آپ لوگ اپنی جداگانہ ہستی کو قائم رکھنا چاہتے ہیں تو آپ کے لئے ضروری ہے کہ اپنی حیثیت کے قیام کی خود فکر کریں اور اپنی ذات کو اس طرح نہ مٹنے دیں کہ آپ کا وجود اور عدم برابر ہو جائے۔

میرے نزدیک مسلمانوں کی پچھلی تباہی کا بڑا موجب ہی ان کی جداگانہ ہستی کا فقدان تھا اور میں برابر چار سال سے ان کو اس امر کی طرف توجہ دلا رہا ہوں مگر افسوس کہ ان کو اس وقت آکر توجہ ہوئی ہے جب وہ بہت کچھ کھو چکے ہیں۔ ایک ایسے ملک کی مثال جس میں کئی قومیں بستی ہیں ایسی عمارت کی ہے جسے بہت سے پتھر کی سِلوں سے بنایا گیا ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مکان اصل ہے لیکن اس مکان کا قیام بھی ان سِلوں کے قیام کے ساتھ ہے ضروری ہے کہ جس طرح سلیں آپس میں پیوستہ ہوں اسی طرح ہر ایک سِل اپنی ذات میں بھی محفوظ ہو۔ اگر ایک سِل کمزور ہو جائے گی تو وہ خود تو مٹے گی ہی مکان کو بھی نقصان پہنچائے گی پس یہ پالیسی بالکل درست نہیں کہ ملک کے اتحاد کے قیام کے لئے مسلمانوں کو اپنی الگ آرگنائزیشن کی ضرورت نہیں حالانکہ جب تک ایسی کوئی آرگنائزیشن نہ ہوگی اس وقت تک کبھی بھی مسلمانوں کے حقوق کی حفاظت نہیں ہو سکے گی اور کبھی بھی وہ ملک کے لئے مفید وجود نہیں بن سکیں گے پس میرے نزدیک ایک ایسی آرگنائزیشن کا ہونا نہایت ضروری ہے خواہ اسے مسلم لیگ کے نام سے موسوم کیا جائے یا اور کسی نام سے اور میں امید کرتا ہوں کہ اس اجلاس میں آپ لوگ اس امر پر ایک متفقہ فیصلہ کر کے

جلسہ کو برخواست کریں گے کہ ایک ایسی آرگنائزیشن ہو اور وقتی نہیں بلکہ مستقل ہو۔ گو پچھلے حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے تو اس امر پر اتفاق کا ہو جانا بھی ایک بہت بڑی بات ہے لیکن اس سے بڑھ کر یہ مشکل سوال ہے کہ یہ نظام کن قوانین کے مطابق کام کرے اور در حقیقت یہی سوال ہے جس کا حل ہمیں کوئی مستقل نفع دے سکتا ہے۔

جیسا کہ اس جلسہ مسلم لیگ کے بانیوں کی تحریر سے مترشّح ہوتا ہے اور جیسا کہ ضروریات وقت سے ظاہر ہے اس وقت ایک ایسی مجلس کی ضرورت ہے جو تمام مسلمانوں کے قومی فوائد کی نگرانی کرے نہ کہ کسی خاص نقطہ خیال کی۔ اگر آپ لوگوں کے نزدیک کسی خاص نقطہ خیال کی اشاعت یا اس کے مطابق عمل کرنے کی ضرورت ہوتی تو آپ لوگ مسلم لیگ کے نام کے نیچے جمع نہ ہوتے بلکہ اس انعقاد کا کوئی اور نام رکھتے کیونکہ مسلمان کہلانے والے سب کے سب آدمی گو کلمۂ شہادت پر تو جمع ہیں لیکن کسی خاص سیاسی خیال پر جمع نہیں ہیں اور نہ جمع ہو سکتے ہیں اور اگر کسی خاص سیاسی خیال پر جمع کرنا مقصود ہوتا تو اس کے لئے مسلم کی شرط لگانے کی ضرورت نہ تھی۔ سیاسی خیالات میں تو نہ صرف یہ کہ ہم ہر ایک قوم کے ساتھ مل سکتے ہیں بلکہ ہمیں ان کو اپنے ساتھ ملانے کی پوری کوشش کرنی چاہئے پس مسلم لیگ کے نام اور بانیانِ جلسہ کی تحریرات کو اگر حقیقت کا جامہ پہنانا ہے تو ضروری ہے کہ اس آرگنائزیشن کو ایسے اصول پر قائم کیا جائے کہ اس میں ہر قسم کے سیاسی خیالات کے آدمی جمع ہو سکیں تا اس کا وہی حشر نہ ہو جو پہلی مسلم لیگ کا ہو چکا ہے یعنی ایک ہی اہم اختلاف پیدا ہوا اور مسلم لیگ ٹوٹ کر دو مجلسوں میں تقسیم ہو گئی۔ اگر پہلی لیگ واقع میں مسلم لیگ ہوتی نہ کہ سوراج لیگ یا لبرل لیگ تو وہ افتراق کیوں واقع ہوتا جو اس سے پہلے واقع ہو چکا ہے۔

پس اگر آپ لوگ مسلم لیگ بنانا چاہتے اور اسی قسم کی لیگ کی ضرورت بھی ہے تو اس کو کسی خاص سیاست سے وابستہ نہ کریں بلکہ اسے حقیقی معنوں میں مسلم لیگ بنائیں۔

یہ بھی یاد رکھنا چاہئے کہ ہر ایک لفظ اپنے اپنے دائرہ میں الگ معنے رکھتا ہے لفظ مسلم کی تعبیر مذہبی نقطہ خیال سے اور ہے اور سیاسی نقطہ خیال سے اور۔ مذہبی نقطہ خیال سے تو مختلف فِرَقِ اسلام کے نزدیک وہ لوگ مسلم ہیں جو ان اصولی مسائل میں جن پر وہ اپنے نزدیک بنائے اسلام رکھتے ہیں متفق ہوں اور سیاسی نقطۂ خیال کے مطابق ہر شخص جو رسول کریم ﷺ پر ایمان لانے کا مدعی ہے اور آپ کی شریعت کو منسوخ نہیں قرار دیتا اور کسی جدید شریعت کا قائل نہیں ہے

لفظ مسلم کے دائرہ کے اندر آجاتا ہے۔

جب تک جملہ فِرَقِ اسلام اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں غیر مذہب کا سلوک ان سب سے ایک ہی طرح کا ہوگا وہ سیاستاً ان میں کوئی امتیاز نہیں کریں گے اور جب تک دنیا سیاسی معاملات میں ہر فرقہ سے جو مسلمان کہلاتا ہے سیاستاً ایک سا سلوک کرے گی اس وقت تک اسلام کی اس تعبیر کو جو اوپر بیان ہوئی ہے نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔ بغیر اس فرق کے سمجھنے کے نہ باہمی امن ہو سکتا ہے نہ باقی دنیا کے مقابلہ میں اسلامی حقوق کی حفاظت کی جاسکتی ہے پس مسلم لیگ کے یہ معنے نہیں کئے جاسکتے کہ ان مسلمانوں کی انجمن جن کو بعض خاص فرق کے علماء مسلمان کہتے ہیں بلکہ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ ان تمام لوگوں کی انجمن جو اپنے آپ کو اسلام کی طرف منسوب کرتے ہیں اور کسی اسلام سے پہلے یا اسلام کے ناسخ دین کے قائل نہیں۔ سیاسی معاملات میں جب تک کہ اختلاف کی بنیاد مذہب کی بجائے سیاست پر نہ رکھی جائے گی اس وقت تک ہرگز امن نہیں ہو سکتا پس ضروری ہے کہ مسلم لیگ کے دروازے ہر ایک اس فرقہ کے لئے کھلے ہوں جو اپنے آپ کو مسلم کہتا ہے خواہ اس کو دوسرے فرقوں کے لوگ مذہبی نقطہ نگاہ سے کافر ہی سمجھتے ہوں اور اس کے کفر پر تمام علماء کی مہریں ثبت ہوں۔

اس امر کے بیان کر دینے کے بعد کہ مذہبی طور پر کون کون سے فرقے اس لیگ میں شامل کئے جانے چاہئیں اب میں پھر اصل مضمون کو لیتا ہوں کہ جب ایک مسلم لیگ کی ضرورت ہے نہ کہ کسی خاص سیاسی نقطۂ نگاہ کی پابند جماعت کی تو ہمیں مسلم لیگ کے قواعد بھی ایسے ہی بنانے چاہئیں جو ہمیں کسی خاص سیاسی نقطہ نگاہ کا پابند نہ بناتے ہوں بلکہ اس کے قواعد کو ایسا وسیع بنانا چاہئے کہ ہر سیاسی نقطہ نگاہ کے لوگ اس میں شامل ہو سکیں اگر ایسا نہ کیا گیا تو یہ انجمن سب مسلمانوں کی نمائندہ نہیں بن سکے گی اور صرف ایک خاص قسم کے خیالات کی پابند جماعت کی نمائندہ ہوگی پس اس کو تمام مسلمانوں کی نمائندہ مجلس بنانے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے دروازے ہر ایک خیال کے لوگوں کے لئے کھلے رکھے جائیں اور اس کی ممبری کے لئے سوائے دعوئ اسلام کے اور ہندوستانی ہونے کے اور ایک مقررہ رقم چندہ کے طور پر دینے کے اور کوئی شرط نہیں ہونی چاہئے۔ ہر ایک جو ان شرطوں کو پورا کرتا ہے خواہ وہ سوراج کا قائل ہو' خواہ وہ ہوم رول کا دلدادہ ہو' خواہ وہ کامل حریت کا شیدائی ہو' خواہ وہ امن پسندوں میں ہو' خواہ وہ خوشامدیانِ سرکار میں سے سمجھا جاتا ہو۔ خواہ وہ ہندو مسلم اتحاد کا والہ ہو اور خواہ مسلمانوں کے کامل طور پر الگ

رہنے کے اصل کا شیدا اس کو حق ہونا چاہئے کہ وہ اس لیگ کا ممبر بنے اور اپنے خیالات سنائے اور دوسروں کے سنے اور اگر اس سے ہو سکے تو دوسرے لوگوں کو اپنا ہم خیال بنا کر اپنی ہم عقیدہ جماعت کو بڑھائے اور اپنی قلّت کو کثرت سے بدل دے۔

جب تک اس اصول پر کام نہ کیا گیا اس وقت تک کبھی صلح نہیں ہو سکتی کبھی امن نہیں ہو سکتا اور کبھی ترقی نہیں ہو سکتی۔ اس سے زیادہ تنگ ظرفی اور کیا ہو گی کہ ہم ظاہر تو یہ کریں کہ ہم ایک ایسی انجمن تیار کرتے ہیں جو سب مسلمانوں کی نمائندہ ہو گی لیکن عملاً ہم صرف انہی کو اس کے اندر شامل ہونے کا موقع دیں جو سیاستاً ہمارے ہم خیال ہیں اور دوسروں کو قانوناً یا عملاً تنگ کر کے باہر نکال دیں۔

ہمارے ہندو بھائی بھی اس نکتہ کی پوری حقیقت کو ابھی نہیں سمجھے لیکن پھر بھی مسلمانوں کی نسبت ان میں رواداری زیادہ ہے اور اس سے انہوں نے فائدہ اٹھایا ہے۔ پچھلے دنوں کے اختلافات کے دوران میں ہندو لیڈروں نے جو کانگریس کے نئے طریق کی تائید میں تھے پنڈت مدن موہن مالویہ صاحب کو باوجود اس کے کہ وہ اختلاف رکھتے تھے نہایت ادب کے ساتھ دیکھا ہے لیکن افسوس ہے کہ مسلمانوں نے ان پرانے کارکنوں کو جنہوں نے اپنی عمریں انکی بہتری کے لئے خرچ کر دی تھیں بہت بری طرح سے اپنے سے الگ کر دیا اور ان کو آئندہ خدمت کرنے سے محروم کر دیا۔ ہندوؤں نے اپنی پالیسی سے فائدہ بھی اٹھایا۔ ایک طرف کانگریس کے میدان عمل میں بھی وہ معزز رہے اور گورنمنٹ سے بھی انہوں نے ساتھ کے ساتھ فائدے اٹھائے مگر مسلمانوں نے اپنے پرانے کارکنوں کو ذلیل کر کے ایک اخلاقی جرم کا ارتکاب بھی کیا اور دنیوی فائدہ بھی کوئی نہیں اٹھایا۔

یاد رکھنا چاہئے کہ اتحاد کا ایک ہی طریق ہے اور وہ یہ کہ ہم اختلاف کو سننا اور دیکھنا برداشت کر سکیں اختلاف کو چھپانا یا اختلاف پر قطع تعلق کر لینا کبھی سیاست میں کامیاب نہیں کرتا۔ سیاسی کامیابی کا ایک ہی گُر ہے کہ جب اختلاف ہو تو ہم اس اختلاف کو تسلیم کریں اور دلائل سے اس پر غالب آنے کی کوشش کریں نہ کہ قطع تعلق سے اس کو دبانے کی سعی۔

اب یہ سوال رہ جاتا ہے کہ مختلف خیالات کے لوگ آپس میں مل کر کیونکر کام کر سکتے ہیں؟ میرے نزدیک اس کا حل آسان ہے ہمیں یہ کوشش نہیں کرنی چاہئے کہ ہم ہر ایک کو اپنے خیال کا تابع بنائیں اور نہ ہم اس کو قبول کر سکتے ہیں کہ لیگ بحیثیت لیگ کچھ بھی نہ کرے کیونکہ اس

صورت میں عملی میدان میں اس کا عدم اور وجود برابر ہو جائے گا ہمیں جو کچھ کرنا چاہئے اور جو کچھ ہم کرسکتے ہیں وہ یہ ہے کہ لیگ کے قواعد اس طریق پر بنائے جائیں کہ لیگ کے ممبروں کی کثرت رائے کا فیصلہ اس کے ممبروں کے لئے واجب الاطاعت نہ ہو وہ صرف لیگ کے نظام کے لئے واجب الاطاعت ہو یعنی لیگ کی آرگنائزیشن صرف اسی فیصلہ پر عملدرآمد کرنے کی کوشش کرے جو لیگ کے ممبروں کی کثرت رائے سے ہوا ہے اور لیگ کے فنڈز صرف انہی تحریکات کی تائید میں خرچ ہوں جن کی تائید کثرت رائے نے کی ہو اور قلیل التعداد رائے والی جماعت اپنی علیحدہ آرگنائزیشن قائم کرکے اور اپنا الگ سرمایہ جمع کرکے اپنے خیال کی اشاعت کرے جس طرح انگلستان میں مختلف پارٹیوں میں دستور ہے کہ جو پارٹی حکومت پر قابض ہوتی ہے اس کے وہپ کو سرکاری خزانہ سے تنخواہ ملتی ہے اور دوسری پارٹیوں کو اپنے پاس سے اپنے وہپس کو تنخواہ دینی پڑتی ہے۔ اس صورت میں لیگ کی آرگنائزیشن پر وہی لوگ قابض ہو سکیں گے جو اس کے اندر کثرت رائے رکھیں گے اور اس کے عہدہ داروں کے لئے لازمی ہو گا کہ یا تو وہ اپنے آپ کو کثرت رائے کے تابع کریں اور عملاً کثرت رائے کے منشاء کے پورا کرنے پر آمادگی ظاہر کریں یا پھر اپنے عہدہ سے الگ ہو جائیں۔

مگر یہ ضروری ہو گا کہ لیگ کا ایک مستقل عملہ ہو جو اپنے آپ کو بالکل غیر جانبدار رکھے لیگ کی سیاست میں بالکل حصہ نہ لے جو نقطہ نگاہ بھی کسی وقت لیگ کی کثرت رائے کو اپنے ساتھ متفق کرلے وہ عملہ اس کی پالیسی کو عملی جامہ پہنانے کی کوشش کرے۔ اگر لیگ ان اصولوں پر قائم ہو تو کسی جماعت کو بھی اس میں شمولیت میں عذر نہ ہو گا۔ باغیانہ خیالات کی حد کو پہنچے ہوئے لوگوں سے لے کر گورنمنٹ کی خوشامد کرنے والے لوگوں تک سب اس میں شامل ہو سکتے ہیں اور اس کے ذریعے سے مسلمانوں کو اس قدر فائدہ پہنچ سکتا ہے کہ اس کا اندازہ اس وقت پوری طرح نہیں لگایا جاسکتا۔

لیگ کے انتظام کے متعلق میں ایک اور بات کہنی چاہتا ہوں اور وہ یہ ہے کہ صرف لیگ کا یہ کام نہیں ہونا چاہئے کہ وہ مسلمانوں کے حقوق کی غیروں کے مقابلہ میں حفاظت کرے بلکہ اس کا یہ بھی کام ہونا چاہئے کہ وہ مسلمان جماعتوں کی آپس کی سیاسی لڑائیوں اور ایک دوسرے کی حق تلفیوں کا بھی فیصلہ کرے اور مختلف جماعتوں کے باہمی تعلقات کو خوشگوار بنانے کی کوشش کرے تاکہ اختلافات باہمی بڑھ کر خود لیگ کے لئے ہی صدمہ کا موجب نہ ہو جائیں۔

ایک امر اور لیگ کی کارروائیوں میں مد نظر رہنا چاہئے اور وہ یہ کہ کثرت رائے کے فرائض میں یہ امر شامل ہونا چاہئے کہ وہ قلیل التعداد جماعتوں کے نمائندوں کے جائز ادب اور احترام کی حفاظت کرے اور وہ غیر شریفانہ رویہ جو بعض اوقات پبلک جلسوں میں قلیل التعداد لوگوں کے خلاف برتا جاتا ہے اور ان کی باتیں سننے سے انکار کر دیا جاتا ہے اس کو روکے۔ بیشک یورپ کی پارلیمنٹوں میں بھی ایسا ہوتا رہتا ہے کہ ایک جماعت اپنے مخالف خیال کے لوگوں کی ہتک کر دیتی ہے لیکن یاد رکھنا چاہئے کہ ان لوگوں کی ہر ایک بات قابل تقلید نہیں ہے وہ اگر یہ حرکات کرتے ہیں تو وہ معذور ہیں ان کے سامنے محمد ﷺ کا اسوہ موجود نہیں ہے اور آپ کے سامنے ہے اور ان کے پاس زندہ کتاب موجود نہیں ہے مگر آپ کے پاس ہے۔

اب میں دوسرے امر کو لیتا ہوں کہ ہندو مسلم اتحاد کو کیونکر قائم کیا جائے؟ اس سوال کو حل کرنے سے پہلے ہمیں پہلے ایک اور سوال کو حل کر لینا چاہئے اور وہ یہ ہے کہ ہندوؤں اور مسلمانوں میں اختلاف کیوں ہے؟ میرے نزدیک اس سوال کے چار جواب ہیں۔

۱۔ صلح کرتے وقت ان اختلافات کو نہیں دیکھا گیا جو دونوں جماعتوں میں پائے جاتے ہیں اور بجائے اس کے کہ ان اختلافات کے مٹانے یا ان کے بد اثر کو دور کرنے کی کوشش کی جاتی صرف اس جذباتی دلیل کے زور سے صلح کرادی گئی کہ ہم ایک ملک کے باشندے ہیں ہم میں کوئی اختلاف نہیں پس ہمیں صلح کر لینی چاہئے۔ چونکہ اختلاف حقیقی تھا اور صلح بناوٹی حقیقت آخر بناوٹ پر غالب آگئی اور لوگوں کو اپنے اختلافات نظر آنے لگ گئے۔ چونکہ لوگوں کو یہ بتایا گیا تھا کہ اختلاف نہیں۔ نہ یہ کہ اختلاف تو ہے مگر اس اختلاف کے بد اثرات کو روکنے کے لئے تم فلاں فلاں تدابیر کر سکتے ہو اس لئے جب اختلافات لوگوں کو نظر آنے لگے تو وہ آپس میں لڑ پڑے اور انہوں نے خیال کیا کہ شاید یہ اختلاف اب پیدا ہوئے ہیں حالانکہ وہ اختلافات ہمیشہ سے تھے۔

۲۔ دوسرا نقص یہ ہؤا کہ صلح کے شوق میں بین الاقوامی تعلقات کی حد بندی نہیں کی گئی۔ اس امر کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا کہ ملکی اور غیر ملکی سوال کے ساتھ ایک قومی اور غیر قومی کا سوال بھی لگا ہؤا ہے اور فطرت انسانی اس کو نظر انداز نہیں کر سکتی خیال کر لیا گیا کہ جب ہندوستانی سب کو قرار دیا گیا ہے تو اب سب آپس میں نیک سلوک ہی کریں گے اور یہ بات بالکل بھلا دی گئی کہ ہندو بھی تو آپس میں ایک سا سلوک نہیں کرتے اگر ایک ہندو کے سامنے اور

ہندوؤں کا معاملہ آجائے اور ایک اس کا بھائی ہو دوسرا غیر تو وہ طبعاً اپنے بھائی کی حمایت کرتا ہے۔ پس ہندو گو غیر ملکیوں کے مقابلہ میں مسلمانوں کا ساتھ دیں مگر ملک کی دولت سے فائدہ اٹھاتے وقت بالطبع ہر ایک قوم اپنے عزیزوں کا لحاظ کرے گی اور قلیل التعداد اور تعلیم اور رسوخ میں پیچھے رہنے والی قوم لازماً سخت نقصان اٹھائے گی اور صلح کا زمانہ ہی جبکہ قلیل التعداد جماعت اپنے حقوق کی حفاظت سے غافل ہو گی شقاق اور نفاق کے بیج کو نشوونما دینے والا ثابت ہو گا۔ اور یہ بھی نہ سوچا گیا کہ جبکہ حقوق کی حد بندی نہیں کی گئی تو جو لوگ سمجھدار ہیں اور حقیقت کو سمجھتے ہیں وہ ضرور ایک دوسرے پر بدگمان رہیں گے اور بلا تصفیہ حقوق کے ایک دوسرے پر اعتماد نہیں کر سکیں گے جس کا آخری نتیجہ فساد اور عناد ہو گا۔

۳۔ تیسری یہ غلطی ہوئی کہ خیال کر لیا گیا کہ ہمارے سوا ہندوستان میں کوئی اور نہیں بستا اور ان لوگوں کی طاقت کا بالکل اندازہ نہیں کیا گیا جن سے مقابلہ تھا حالانکہ یہ طبعی بات ہے کہ جن لوگوں کے خلاف کوئی سمجھوتہ کیا جائے وہ ضرور اس سمجھوتہ کو توڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ سمجھوتہ جو ہندو مسلمانوں کے درمیان میں ہوا تھا ایک طرف تو موجودہ گورنمنٹ کے خلاف تھا دوسری طرف دوسری اقوام ہند پر اس کا بداثر پڑتا تھا اور خود ہندوؤں اور مسلمانوں میں سے بعض فریقوں کے خلاف تھا بعض لوگوں نے اس کی مخالفت کی اور آخر وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔

۴۔ مسلمانوں کے جن نمائندوں نے ہندو مسلم اتحاد کے مسودہ کا فیصلہ کیا انہوں نے انجام پر ایسے گہرے طور پر غور نہیں کیا جیسے کہ ان کو غور کرنا چاہئے تھا۔

ان چار نقائص کا نتیجہ یہ ہوا کہ صلح قائم نہ رہ سکی اور ملک میں اور بھی فساد پھوٹ پڑا جیسا کہ وہ لوگ جانتے ہیں جن کو میرے ان لیکچروں کے سننے کا موقع ملا ہے جو میں نے گذشتہ پانچ سال میں ان معاملات کے متعلق دیئے ہیں یا میری تحریرات کے پڑھنے کا موقع ملا ہے میں ان امور کی طرف شروع سے توجہ دلاتا رہا ہوں اور اس نتیجہ سے ڈراتا رہا ہوں جو اب نکلا ہے۔ میرے نزدیک ہندو مسلم اتحاد کے لئے ضروری ہے کہ اس کی بنیاد مندرجہ ذیل اصول پر رکھی جائے۔

۱۔ اس امر کو اچھی طرح سمجھ لیا جائے کہ اختلاف کا اصل باعث ان کمیٹیوں سے پیدا نہیں ہوتا جن میں کہ مختلف قوموں کے نمائندے جمع ہو کر فیصلے کرتے ہیں بلکہ اس کا اصل باعث ان کروڑوں آدمیوں میں پیدا ہوتا ہے جن میں سے بہت سے لوگ اس امر کو بھی نہیں سمجھ سکتے کہ اتحاد کا کیا فائدہ ہے؟ اور اس کا خیال رکھنے کی ان کو کیا ضرورت ہے؟ وہ اس امر کی قابلیت نہیں

رکھتے کہ مآل اندیشی سے کام لیں بلکہ وہ صرف اس امر کو دیکھتے ہیں کہ ہمارے ٹھیس کھائے ہوئے جذبات کا کوئی بدلہ ضرور ملنا چاہئے پس کوئی اتحاد قائم نہیں رہ سکتا جب تک کہ ان لوگوں کے جذبات کو مدنظر نہ رکھا جائے۔ فتنہ کو مٹایا نہ جائے اور اس غرض کے پورا کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ عوام الناس سے ان قربانیوں کا مطالبہ نہ کیا جائے گا جن کے وہ متحمل نہیں ہو سکتے۔ اگر ان کی روایات اور عادات اور جذبات کے خلاف مطالبہ کیا جائے گا تو وہ کبھی اس کو برداشت نہیں کر سکیں گے اور لیڈر خواہ کس قدر ہی فراخ دلی کا ثبوت دیں عوام الناس کو وہ اپنے ساتھ شامل نہیں رکھ سکیں گے۔

پیچھے جو سمجھوتہ اس غرض کے پورا کرنے کے لئے کیا گیا تھا اس میں یہ شرط کی گئی تھی کہ گائے کی قربانی کو مسلمان بہ طیبِ خاطر چھوڑ دیں۔ یہ سمجھوتہ عام مسلمانوں کے قومی جذبات اور احساسات بلکہ ان کی تمدنی ضروریات کے لحاظ سے بھی غیر طبعی تھا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ فسادات اور بھی ترقی کر گئے۔ علاوہ ازیں سیاستاً بھی یہ سمجھوتہ درست نہ تھا۔ اگر مسلمان لیڈر جو اس سمجھوتے میں شامل ہوئے تھے ہندو قوم کی بناوٹ پر غور کرتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ گائے کا سوال مذہبی نہیں بلکہ پولیٹیکل ہے خود ویدوں میں ہم لکھا ہوا دیکھتے ہیں کہ ست جگ میں اور رشیوں کے زمانہ میں ہندوستان میں علی الاعلان گائے کے گوشت کے کباب بنائے جاتے تھے اور کھائے جاتے تھے اور آج سے کچھ عرصہ پہلے سوائے پنجاب کے ہندوستان میں گائے کی قربانی علی الاعلان ہوتی تھی پھر اب جو اس سوال کو اٹھایا گیا ہے تو کیوں؟ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ پچھلے پچاس سال سے ہندو قوم میں یہ سوال پیدا ہو رہا ہے کہ ہندو مذہب کی تعریف کیا ہے بڑے بڑے مدبروں نے غور کر کے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ ہندو مت ایک مذہب نہیں بلکہ مختلف مذاہب کے مجموعے کا نام ہے جو بیرونی حملہ آوروں کے حملوں کے روکنے کے لئے ایک نام کے نیچے جمع ہو گئے تھے اس زمانہ میں جبکہ جتھا داری اور کثرتِ قومی ایک نہایت ضروری امر سمجھا جاتا ہے اس انکشاف کا اثر جو ہندو لیڈروں پر ہو سکتا تھا وہ ظاہر ہی ہے ان سے یہ امر مخفی نہ تھا کہ اگر یہ امر اہل ہنود کے مختلف فرقوں پر ظاہر ہوتا چلا گیا تو جس طرح سکھ الگ ہو گئے ہیں وہ فرقے بھی الگ ہو جائیں گے اور ان کی موجودہ طاقت ٹوٹ جائے گی اس اندیشہ کو دور کرنے کے لئے انہوں نے یہ تجویز کی کہ مختلف ہندو فرقوں میں جو بڑے بڑے مَابِہِ الاِشْتِرَاک ہیں ان کو معلوم کر کے ان پر خاص طور پر زور دیا جائے اور ان کو مذہب کی جڑ قرار دیا جائے تا اس دائرہ میں سب ہندو قومیں جمع رہیں اور ان میں

وحدت کا خیال پیدا ہو جائے۔

اس غرض کے پورا کرنے کے لئے جب انہوں نے ہندوستان کے مختلف مذاہب پر جو ہندوستان میں پیدا ہوئے ہیں غور کیا تو ان کو تمام قومیں تین باتوں میں سے کسی نہ کسی پر جمع نظر آئیں۔ (۱) بعض قومیں ویدوں کے الہامی ہونے پر متفق تھیں۔ (۲) بعض تناسخ کے مسئلہ پر (۳) بعض گائے کی عظمت اور حرمت پر۔ غرض کُل ہندو مذاہب ان تین مسائل میں سے کسی نہ کسی مذہب کے ماننے والے تھے جیسے مثلاً جینی وید کو نہیں مانتے لیکن تناسخ کے قائل ہیں سکھ تناسخ کو نہیں مانتے مگر گائے کی عظمت ان کے دلوں میں بھی ہے بلکہ انہوں نے اس امر کو بھی معلوم کیا کہ ہندو مذاہب اسقدر وید پر جمع نہیں ہیں جس قدر کہ تناسخ اور گائے کی عظمت پر۔ پس انہوں نے زیادہ تر ان ہی مسائل پر زور دینا شروع کیا تاکہ سب ہندو فرقوں میں ایک وحدت کا رشتہ ایسا پیدا رہے جس کی وجہ سے وہ اپنے اندرونی اختلافات کو بھلائے رکھیں۔ انہوں نے خصوصاً گائے کی عظمت پر زور دیا کیونکہ پہلے دونوں امر اعتقادی ہیں اور اس قدر وحدت کے پیدا کرنے کا موجب نہیں ہو سکتے لیکن گائے کی عظمت ایک نظری چیز ہے اس کی وجہ سے ان کے جوش تازہ رہنے کی زیادہ امید تھی اس تدبیر سے انہوں نے مختلف مذاہب کو ایک ہی نام سے جمع رکھنے کی تدبیر نکالی۔ پس اس مسئلہ پر زور ہرگز شرعی جذبات کے سبب سے نہیں دیا جاتا بلکہ سیاسی ضروریات کے سبب سے۔ اگر مسلم لیڈران مضامین پر ہی اطلاع پالیتے جو الہ آباد کے لیڈر اخبار میں ہندو مذہب کی تعریف کے متعلق ہندوؤں کے تمام سیاسی اور مذہبی لیڈروں کی طرف سے نکلتے رہے ہیں اور جو بعد میں کتابی صورت میں چھپ کر شائع ہوئے ہیں تو ان پر اس امر کی حقیقت کھل جاتی۔

خلاصہ یہ کہ گائے کی عظمت ایک سیاسی مسئلہ ہے اور ہندو قوم کے لیڈروں نے اسے صرف ہندوستان میں پیدا ہونے والے مختلف مذاہب کو ایک رشتہ میں منسلک رکھنے کے لئے ایجاد کیا ہے۔ پس مسلمانوں سے گائے کی قربانی کے ترک کرنے کا مطالبہ کرنا بالکل نادرست اور ناواجب ہے یہ مسلمانوں کا فرض نہیں ہو سکتا کہ وہ ہندوؤں کے قومی اتحاد کے دواعی (بواعث۔ مرتب) اپنے قومی وحدت کے دواعی کو ترک کر کے مہیا کریں اتحاد کی بناء صرف اس امر پر رکھی جا سکتی ہے کہ ہر ایک قوم دوسرے کے مذہبی امور میں دخل نہ دے نہ اس پر کہ ایک قوم دوسرے کے مذہبی اور تمدنی امور کو اپنی مرضی کے مطابق طے کرانے کی کوشش کرے۔ کیا یہ بھی مثلاً صلح کا

طریق کہلا سکتا ہے کہ انگریز کہیں کہ ہندوستانی انگریزی لباس اختیار کر لیں اور انگریزی زبان کو اپنی زبان بنالیں تو ہم ان کو حکومت دیدیتے ہیں اگر انگریزوں کی طرف سے ایسا مطالبہ درست ہو سکتا ہے تو ہندوؤں کا مطالبہ بھی درست ہو سکتا ہے۔ مگر جس طرح انگریز اگر مذکورہ بالا مطالبہ کریں تو وہ درست نہ ہو گا اسی طرح ہندوؤں کا مطالبہ بھی نادرست ہے۔ خواہ کوئی کتنا بڑا لیڈر ہی کیوں نہ ہو وہ قانون قدرت کے خلاف نہیں جا سکتا اور یہ قانون قدرت ہے کہ صلح دوسرے کے خیالات یا اعمال کے چھڑوانے سے نہیں ہو سکتی بلکہ صرف اس طرح ہو سکتی ہے کہ ایک دوسرے کے ذاتی اعمال میں دخل نہ دیا جائے۔ ہندوؤں کا مسلمانوں سے گائے کی قربانی یا اس کے ذبح کے ترک کا مطالبہ کرنا ہرگز صلح کا موجب نہیں ہو سکتا ان کا کوئی حق نہیں کہ وہ مسلمانوں کے ذاتی کاموں میں اور ان کے اپنے اموال کے خرچ میں دخل دیں اور مسلمانوں کا کوئی حق نہیں کہ سکھوں ہندوؤں یا اور کسی قوم کے کاموں میں دخل دیں۔ ایک ہندو اگر مسلمانوں کے افعال میں دخل دیئے بغیر صلح کے لئے تیار نہیں تو وہ ہرگز صلح کا جویاں نہیں اور ایک مسلمان اگر ہندو کے کاموں میں دخل دیئے بغیر صلح کرنے کے لئے تیار نہیں تو وہ ہرگز صلح کا طالب نہیں۔ ہندوؤں کا کوئی حق نہیں کہ وہ صلح کی شرائط میں گاؤکُشی کی بندش کو پیش کریں اور مسلمانوں کا کوئی حق نہیں کہ وہ جھٹکے پر یا سؤر کا گوشت بِکنے پر اعتراض کریں۔ اگر ہندوؤں کو گائے کے ذبح کرنے سے تکلیف ہوتی ہے تو ایک مسلمان کو بت پرستی اور سود کے لینے دینے پر تکلیف ہوتی ہے کیا ہندو مسلمانوں کی خاطر بت پرستی یا سود کا لین دین چھوڑ دیں گے۔ خلاصہ یہ کہ صلح اس طرح نہیں ہو سکتی کہ ایک دوسرے سے ان کے اعمال چھُڑوائے جائیں بلکہ اس طرح کہ کوئی فریق دوسرے کے مذہبی امور میں دخل نہ دے۔ پس آئندہ بنیاد صلح اس امر کو مدنظر رکھ کر ڈالنی چاہئے ورنہ وہ غیر طبعی ہوگی اور کبھی کامیاب نہ ہو سکے گی۔ ہر مذہب کے پیروؤں کو اپنے ذاتی اعمال میں پوری آزادی ہونی چاہئے۔ مسلمانوں کو دسہروں وغیرہ کے جلوسوں پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے خواہ وہ کہیں سے نکالے جاویں اور ہندوؤں کو تعزیوں وغیرہ پر کوئی اعتراض نہیں ہونا چاہئے خواہ وہ کہیں سے نکالے جاویں اسی طرح مساجد کے پاس سے اگر جلوس نکلیں تو مسلمانوں کے اس پر چِڑنے یا ناراض ہونے کی کوئی وجہ نہیں یہ سب بچوں کی سی باتیں ہیں اور سمجھدار لوگوں کو ان سے پرہیز کرنا چاہئے ہاں یہ ضرور ہے کہ جس وقت مسلمان باجماعت عبادت کر رہے ہوں اس وقت مساجد کے پاس اور جس وقت ہندو باجماعت عبادت کر رہے ہوں

اس وقت مندر کے پاس شور نہ کیا جائے۔ کیونکہ ایسی صورت میں آزادی کا سوال نہیں رہتا بلکہ عملی ضرر کا سوال ہو جاتا ہے شور کی وجہ سے عبادت گزار عبادت نہیں کر سکتے اور شرافت کا تقاضا ہے کہ دوسرے کے کام میں حرج نہ کیا جائے۔

دوسری شرط یہ ہونی چاہئے کہ ایک دوسرے کے بزرگوں کو گالیاں نہ دی جائیں۔ گالیاں دینا ہرگز کسی قوم کا فرض نہیں ہو سکتا اور اس سے زیادہ غیر شریفانہ بات اور کوئی نہیں ہو سکتی کہ ایک دوسرے کے بزرگوں کو گالیاں دی جائیں۔ بانی سلسلہ احمدیہ حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے عرصہ ہوا کہ اس سوال کو گورنمنٹ اور پبلک کے سامنے پیش کیا تھا۔ کہ ہندوستان میں اکثر فساد مذہبی اختلافات کے باعث سے ہوتے ہیں اور ان میں سے بھی ایک بڑا حصہ اس بدزبانی کے سبب سے ہوتا ہے جو ایک مذہب کے پیرو دوسرے مذہب کے بزرگوں کی نسبت کرتے ہیں۔ واقعات برابر اس صداقت پر سے پردہ اٹھاتے چلے آئے ہیں اور اب جبکہ حق کھل چکا ہے ہمارا فرض ہے کہ مابین الاقوام صلح کی تجاویز کرتے وقت اس ضروری امر کو نظرانداز نہ ہونے دیں۔ کون شخص اس صداقت کا انکار کر سکتا ہے کہ ہمارے ہندوؤں میں سے آریہ لوگ جس طرح رسول کریم ﷺ کو گالیاں دیتے ہیں اس کا برداشت کرنا ایک غیرت مند انسان کے لئے ناممکن ہے اگر مسلمان مسلمان کہلانا چاہتے ہیں تو ان کے دلوں میں رسول کریم ﷺ کے لئے غیرت بھی ہونی چاہئے ورنہ مسلم کہلانے سے کیا فائدہ اور مسلم لیگ بنانے کی کیا غرض ہے؟ مسلمانوں کی ہستی رسول کریم ﷺ کے وجود میں مخفی ہے اگر آپ کی عزت کا ہم لوگوں کے دلوں میں خیال نہ ہو تو ہمارے مسلمان کہلا کر دنیا میں ایک الگ جماعت بنانے کا کیا فائدہ؟ تب ہمیں ہندو یا مسیحی ہو جانا چاہئے کہ وہ قومیں ہم سے زیادہ اور طاقتور ہیں مسلم کہلانے کی تو اسی وقت تک ضرورت ہے جب اسلام میں ہمیں کوئی ایسی چیز نظر آتی ہے جو دوسری جگہ نہیں ملتی اور جب تک اسلام میں ہمیں کوئی بھی خوبی نظر آتی ہے رسول کریم ﷺ کی محبت اور آپ کے نام کے لئے غیرت دکھانے کے فرض سے ہم ہرگز سبکدوش نہیں ہو سکتے۔ پس صلح کے لئے یہ شرط سب سے پہلے ہونی چاہئے کہ رسول کریم ﷺ کو خصوصاً اور دوسرے ائمہ اسلام کو عموماً دوسرے مذاہب کے لوگ بدزبانی سے یاد نہ کریں اور اسی طرح مسلمان دوسرے مذاہب کے بزرگوں کے حق میں بدکلامی نہ کریں بغیر اس کے صلح نہیں ہو سکتی۔ جب تک کسی مسلمان کے دل میں ایمان کی خفیف سے خفیف چنگاری بھی جلتی ہے وہ آج نہیں تو کل رسول کریم ﷺ کی محبت

کی طرف کھنچا چلا جائے گا اور ہزار صلح بھی ہو رسول کریم ﷺ کی ہتک کرنے والی قوم سے صلح نہیں رکھ سکے گا کیونکہ اس کے ایمان کا یہ تقاضا ہے کہ جنگل کے درندوں اور بَن کے سانپوں سے تو وہ صلح کرلے لیکن ان بدبخت لوگوں سے صلح نہ کرے جو اس مقدس وجود کو گالیاں دیتے ہیں جس کے احسان کے نیچے ہماری گردنیں جھکی پڑی ہیں اور جس کی جوتیوں کی خاک ہمارے سروں کے لئے باعثِ عزت ہے۔

تیسرا امر جس کے بغیر صلح مکمل اور دیرپا نہیں ہو سکتی یہ ہے کہ اقوام آپس میں معاہدہ کریں کہ مذہبی مناقشات اور مباحثات میں محبت اور تحقیق کو چھوڑ کر لڑائی اور جھگڑے کی طرح نہ ڈالی جائے۔ بعض لوگوں کا خیال ہے کہ سیاست کے فیصلہ کے ساتھ مذہب کا کیا تعلق ہے لیکن یہ خیال درست نہیں جب دو قوموں میں لڑائی ہوتی ہے تو وہ کبھی اسی تک محدود نہیں رہتی جس کے متعلق لڑائی ہو بلکہ وہ اپنا دامن وسیع کرتی ہے اور آخر ہر ایک چیز کا احاطہ کرلیتی ہے پس اگر مذہبی لڑائیوں کا سلسلہ جاری رہا یا اس کے اسباب موجود رہے تو کبھی بھی صلح قائم نہ رہے گی۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ مدعا کس طرح حاصل کیا جائے؟ بعض لوگ اس کا یہ علاج بتاتے ہیں کہ مذہبی مباحثات کا سلسلہ ہی بالکل بند کردیا جائے لیکن یہ تدبیر غیر طبعی ہے ایک طرف تو افرادِ ملک کے اندر یہ جوش پیدا کرنا کہ ہر اچھی چیز کے حصول کے لئے کوشش کرنی چاہئے اور دوسری طرف ان کو مذہب میں دلچسپی لینے سے روکنا یہ ایسی متضاد باتیں ہیں کہ کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ اور مذہب تو ایسی طاقت ہے کہ اسے یورپ کی مادہ پرستی نہیں دبا سکی۔ ایشیا کی بوئے عرفان سے بسی ہوئی ہواؤں کی موجودگی میں اس کی شگفتگی کو کون روک سکتا ہے۔

پس وہی تجویز یہاں کامیاب ہو سکتی ہے جو ایک طرف تو مذہب کی حدود میں دست اندازی نہ کرے اور دوسری طرف ایسی حدبندیاں مقرر کردے جو فسادات کے احتمال کو یا بالکل روک دیں یا اس حد تک کم کردیں کہ اس کو آسانی اور سہولت سے دبایا جاسکے اور یہ غرض میرے نزدیک صرف ان ہی تجاویز سے پوری ہو سکتی ہے جو الحکم العدل حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام بانی سلسلہ احمدیہ نے پیش فرمائی ہیں۔ ہم بارہا گورنمنٹ کو ان کی طرف توجہ دلاتے رہے ہیں لیکن گورنمنٹ ان کی خوبی کو تسلیم کرتے ہوئے ان کو ناقابل عمل قرار دیتی رہی ہے مگر ہمیں یقین ہے کہ گورنمنٹ کا یہ جواب درست نہیں۔ یہ تجاویز بآسانی عمل میں آسکتی ہیں اور ان کے ذریعہ سے ملک میں امن قائم کیا جاسکتا ہے اور میں آج آپ لوگوں کے سامنے ان کو اس امید سے

پیش کرتا ہوں کہ شاید گورنمنٹ کے دخل کے بغیر آپس کے سمجھوتے سے ان پر عمل ہو سکے اور ملک میں امن قائم ہو جائے وہ تجاویز یہ ہیں۔

۱۔ تمام مذاہب کے پیرو اس امر پر متفق ہو جائیں کہ وہ مذہب کے متعلق کوئی تصنیف یا تقریر کرتے ہوئے صرف اپنے مذہب کی خوبیاں ہی بیان کریں گے دوسرے مذہب پر حملہ بالکل نہیں کریں گے۔ اور ایسا عہد کرنے پر ان کو کوئی اعتراض نہیں ہو سکتا کیونکہ کسی مذہب کی سچائی اس کی اپنی خوبیوں کے اظہار سے ثابت ہوتی ہے نہ کہ دوسرے مذاہب کے نقائص کے بیان سے۔ اگر اس طریق تصنیف و بحث کو لوگ قبول کرلیں تو آئندہ مذہبی مباحثات اور مناظرات ایسے امن سے ہوں کہ کسی قسم کا فتنہ پیدا نہ ہو۔[1] اگر اس تجویز کو قبول نہ کیا جائے تو دوسری تجویز یہ ہے کہ۔

۲۔ ہر مذہب کے پیرو اپنی مسلّمہ کتب کے نام لکھوا دیں اور جو شخص کسی مذہب کے متعلق کچھ لکھے اس کی مسلّمہ کتب ہی کی بناء پر لکھے۔ اس وقت دیکھا جاتا ہے کہ محض جوش پیدا کرنے کے لئے قصوں اور کہانیوں کی کتب تک سے اعتراض درج کرلئے جاتے ہیں اور محض جھوٹی روایات کی بناء پر کتابیں اور مضامین لکھ کر دوسرے فریق کا دل دُکھایا جاتا ہے اس کے ساتھ یہ شرط بھی ہونی چاہئے کہ اپنے مقابل فریق کے مسلّمہ عقائد کے خلاف ان کی طرف کوئی بات منسوب نہ کی جائے۔ یہ امر بھی فتنہ کو بڑھاتا ہے ہم دیکھتے ہیں کہ آجکل ایک دوسرے کی طرف وہ باتیں منسوب کی جاتی ہیں جو طرفین کے ذہن میں بھی نہیں ہوتیں اعتراض صرف اس امر پر کرنا چاہئے جس کا کوئی شخص مدعی ہو نہ کہ اس کی طرف ایک غلط عقیدہ منسوب کرکے پھر اس پر اعتراض کرنے شروع کر دیئے جاویں اگر یہ تجویز قبول نہ کی جائے تو پھر تیسری تجویز یہ ہے۔

۳۔ کہ تمام مذاہب کے پیرو آپس میں معاہدہ کریں کہ وہ ایسا اعتراض اپنے مخالف پر نہ کریں جو خود ان کے مسلّمات پر بھی پڑتا ہو کیونکہ ایسے اعتراضات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اصل غرض چڑانا اور جوش دلانا ہے۔ اس طریق کو اختیار کرنے سے بھی بہت سے جھگڑے بند ہو سکتے ہیں کیونکہ دیکھا جاتا ہے کہ مختلف مذاہب کے پیرو اکثر اعتراض ایسے کرتے ہیں جو خود ان کے مذہب پر بھی پڑتے ہیں۔[2]

یہ تین تجاویز حضرت مسیح موعودؑ بانی سلسلہ احمدیہ نے بین الاقوامی مذہبی تعلقات کے بہتر بنانے کے لئے پیش فرمائی ہیں اور ان میں سے کسی ایک پر بھی اگر عمل کیا جائے تو فتنہ بہت کچھ

رک سکتا ہے مگر پہلی تجویز پر عمل کرنے سے تو فتنہ کا بالکل ہی سد باب ہو جاتا ہے۔

چوتھا امر جس کا اظہار سمجھوتے کے وقت ہو جانا چاہئے یہ ہے کہ تبلیغ مذہب ہرگز منع نہیں ہوگی اور ہر ایک قوم کا حق ہوگا کہ وہ اپنے مذہب کی اشاعت کرے۔ جو قوم اس شرط کو قبول کرلیتی ہے کہ وہ اپنے مذہب کی تبلیغ نہیں کرے گی وہ گویا صریح الفاظ میں اس امر کو تسلیم کرلیتی ہے کہ اس کا مذہب جھوٹا ہے پس یہ امید کرلی کہ سیاسی سمجھوتے کے ساتھ مذہبی تبلیغ بھی بند کردی جائے یا دوسرے لوگوں کو اپنے مذہب میں شامل کرنے کی کوشش ترک کردی جائے ایک نہ پوری ہونے والی امید ہے بلکہ ایک مجنونانہ خیال ہے جس کو عقل دھکے دیتی ہے ہاں یہ بات ضرور طے ہو جانی چاہئے کہ تبلیغ جائز طریقوں سے ہو اور اس کو باہمی مناقشات کا موجب نہ بنایا جائے۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے مذہب کو قبول کرے تو اس کے جلوس نہ نکالے جائیں یا اس کی آمد پر اس قوم کے متعلق جس میں سے وہ آیا ہے طعن اور تشنیع کا طریق نہ اختیار کیا جائے۔ یا اسی طرح دنیاوی دباؤ سے کسی شخص سے مذہب نہ بدلوایا جائے۔ یا سیاسی طور پر قوموں کو اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش نہ کی جائے۔ جیسا کہ ملکانوں کے متعلق ہوا کہ ان کو ہندو مذہب کی خوبیوں کے اظہار کے ذریعہ سے ہندو بنانے کی کوشش نہیں کی گئی بلکہ مال کی لالچ زمینداروں کے دباؤ اور اس قسم کی جھوٹی روایات کے ذریعہ سے کہ تم اصل میں ہندو ہو مسلمانوں کے دباؤ سے تمہارے باپ دادوں نے ظاہر میں مسلمان کہلانا شروع کردیا تھا یا یہ کہ مہاتما گاندھی کو سب مسلمانوں نے اپنا پیشوا تسلیم کرلیا ہے اور ان کا فیصلہ ہے کہ سوراج (حکومت خود اختیاری۔ مرتب) تبھی ملے گا جب سب لوگ ایک قوم بن جاویں وغیرہ وغیرہ مرتد کرنے کی کوشش کی گئی۔ اسی طرح بعض ہندو ریاستوں جیسے بھرت پور 'الور' میں علی الاعلان حکام نے دباؤ سے مسلمانوں کو ہندو کیا اور اب تک کررہے ہیں یہ طریقِ تبلیغ مذہبی نہیں بلکہ سیاسی ہے اور اس سے زیادہ واضح الفاظ میں کوئی قوم دوسری قوم کو لڑائی کا چیلنج نہیں دے سکتی۔

پانچویں بات جس کی وضاحت ضروری ہے یہ ہے کہ جو کام ایک قوم کررہی ہو اس سے وہ دوسری کو روکنے کا حق نہیں رکھتی مثلاً ہندو لوگ مسلمانوں سے چھوت کرتے ہیں مسلمانوں کو بھی حق ہونا چاہئے کہ وہ ان سے چھوت کریں۔ اور اگر مسلمان چھوت کی تحریک اپنے بھائیوں میں کریں تو اس پر ہندوؤں کو ناراض نہیں ہونا چاہئے اور اسے صلح کے خلاف نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ اگر ہندوؤں کی چھوت کرنے کے باوجود ہندو مسلمان کی صلح ہو سکتی ہے تو کیوں مسلمان

کے چُھوت کرنے سے صلح میں فرق پڑ جاتا ہے۔ ہندو صاحبان بیان کرتے ہیں کہ ہمارا تو یہ مذہبی حکم ہے لیکن بفرض محال اگر ان کی یہ بات درست بھی ہو تو بھی اس عذر کی وجہ سے مسلمانوں کا حق مارا نہیں جاتا کیونکہ گو ہندو مذہبی حکم کی بناء پر چُھوت کرتے ہوں لیکن ان کے اس عمل کا لازمی نتیجہ یہ پیدا ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کا کروڑوں روپیہ سالانہ ہندوؤں کے گھروں میں جارہا ہے اور ہندوؤں کا روپیہ مسلمانوں کی طرف نہیں آتا اور اس کے سبب سے دولت ہندوؤں کے گھروں میں جمع ہو رہی ہے اور مسلمانوں کو مالی طور پر سخت نقصان پہنچ رہا ہے اور ان کی طاقت کمزور ہوتی جارہی ہے۔ اول تو ہندو تجارت میں مسلمانوں سے یونہی بڑھے ہوئے ہیں۔ پھر اس چُھوت کے مسئلہ نے کھانے پینے کی چیزوں کی تجارت جو ملک کی سب بڑی تجارتوں میں سے ہے بالکل ان کے قبضہ میں دیدی ہے پس مسلمانوں کا حق ہے کہ وہ ایسے طریق اختیار کریں جن سے ان کا قومی وقار قائم رہے اور ان کی دولت محفوظ رہے اور ان کے اس فعل کو منافیٔ صلح نہیں سمجھنا چاہئے کیونکہ صلح کے یہ معنے نہیں کہ کوئی اپنے آپ کو برباد کردے۔

چھٹی بات جس کا فیصلہ صلح کے قیام کے لئے ضروری ہے وہ مختلف اقوام کے حقوق کا تصفیہ ہے جو نیابتی مجالس اور خدمات سرکاری کے متعلق مختلف اقوام کو حاصل ہونے چاہئیں۔

اس امر کے تصفیہ میں پہلے سخت غلطی ہو چکی ہے مسلمانوں اور ہندوؤں کا پہلا سمجھوتہ یہ تھا کہ ان صوبوں میں جہاں کہ مسلمان کم ہیں ان کی تعداد آبادی کی نسبت سے نیابتی مجالس میں ان کو زیادہ حق دیا جائے اور جہاں مسلمان زیادہ ہیں وہاں ہندوؤں کو ان کے حق سے زیادہ دیا جائے۔ اس سمجھوتے میں دو نقص تھے۔ ایک تو یہ کہ یہ سمجھوتہ دو قوموں میں تھا حالانکہ ہندوستان میں کئی قومیں بستی ہیں اس سوال کا کوئی حل نہیں سوچا گیا تھا کہ اس تقسیم کے وقت دوسری قوموں کو کس نسبت سے حق نیابت دیا جائے گا چنانچہ پنجاب میں سکھوں کی موجودگی کی وجہ سے اس سمجھوتے نے مشکلات پیدا کر دیں۔ دوسرا نقص یہ تھا کہ اس سمجھوتے کے ماتحت مسلمانوں کو گو بمبئی' مدراس' یوپی' بہار اور سی پی میں ان کی تعداد سے زیادہ حق نیابت مل گیا مگر پھر بھی ان صوبوں میں قلیل التعداد ہی رہے اور ان کی آواز برادران وطن سے نیچی ہی رہی لیکن اس کے مقابلہ میں پنجاب اور بنگال میں مسلمانوں کی کثرت قلّت سے بدل گئی۔

جب یہ سمجھوتہ ہوا ہے میں نے اسی وقت اس کے خلاف آواز اٹھانی شروع کی تھی اور واقعات نے میری رائے کی صحت کو ثابت کر دیا ہے مجھے تعجب ہوا جب میں نے دیکھا کہ سمجھوتہ

کرنے والے لوگ معاملات کی حقیقت سے بالکل ناواقف تھے مجھے پرانی لیگ کے بعض پُرجوش ممبروں سے گفتگو کا موقع ملا ہے۔ اور میری حیرت کی کوئی انتہاء نہ رہی جب میں نے مسلمانوں کے ان نمائندوں کو مسلمانوں کے حقوق سے بالکل ناواقف پایا۔ جب میں نے یہ نقص ان لوگوں کے سامنے پیش کیا کہ مسلمانوں کو سب صوبوں کی مجالس نیابتی میں قلیل التعداد رہنے کی وجہ سے نقصان پہنچے گا اگر بنگال اور پنجاب میں وہ کثیر التعداد میں رہتے تو یہ بہتر تھا بہ نسبت اس کے کہ دوسرے صوبوں میں ان کو کچھ حق زیادہ مل جاتا کیونکہ پنجاب ہندوستان کا ہاتھ ہے اور بنگال سر۔ ان دونوں جگہ کی طاقت سے مسلمان باقی صوبوں کے مسلمانوں کے حقوق کا خیال رکھ سکتے تھے تو انہوں نے مجھے جواب دیا کہ صرف پنجاب کی ذو فیصدی زیادتی کو قربانی کیا گیا ہے ورنہ بنگال میں تو مسلمان کم ہی ہیں حالانکہ واقع یہ ہے کہ بنگال میں مسلمانوں کی طاقت پنجاب سے بھی بڑھ کر ہے۔

واقعات نے ثابت کر دیا ہے کہ یہ سودا مسلمانوں کو بہت مہنگا پڑا ہے اور بہت سے فسادات کا موجب ہوا ہے آئندہ معاہدہ دو قوموں کے درمیان نہیں ہونا چاہئے بلکہ ایسے اصول پر ہونا چاہئے کہ خواہ کتنی بھی قومیں کیوں نہ ہوں ان کے حقوق کی حفاظت اس معاہدہ کے ذریعہ ہو جائے اور جھگڑے کی صورت ہی پیدا نہ ہو اور نہ یہ نقص ہو کہ کسی قوم کی کثرت قلت میں تبدیل ہو جائے۔

میرے نزدیک اس کا طریق یہ ہے کہ مسلمان اپنا پہلا مطالبہ کہ ان کو بعض صوبوں میں ان کی تعداد سے زیادہ حق نیابت دیا جائے چھوڑ دیں مدراس یا بہار میں اگر وہ چند ممبریاں زیادہ بھی حاصل کر لیں تو اس سے ان کو اس قدر فائدہ حاصل نہیں ہو سکتا جس قدر کہ بعض صوبوں میں ان کی کثرت رہنے سے ان کو فائدہ ہو سکتا ہے۔ اور آئندہ نظام اس طریق پر قائم کیا جائے کہ ہر ایک قوم کو اس کی تعداد آبادی کے مطابق حق نیابت ملے۔ صرف یہ رعایت ہو کہ قلیل التعداد اقوام کو اگر ان کی تعداد اس حد تک پہنچے کہ ان کو نصف ممبری کا حق ملتا ہو تو ان کو ایک پوری ممبری کا حق دیا جائے اور یہ حق کثیر التعداد قوم سے دلوایا جائے بشرطیکہ اس کی کثرت قلت سے نہ بدل جائے اور اسی طرح یہ استثناء کیا جائے کہ جو اقوام کہ ملک میں اہمیت رکھتی ہوں لیکن تعداد کے لحاظ سے ان کو ممبری کا حق نہ ملتا ہو ان کو ایک ممبری کا حق دیا جائے ان استثناؤں کے سوا سب اقوام اپنی اپنی تعداد کے مطابق حصہ لیں سوائے ان ممبریوں کے جو خاص مفاد کی نیابت کرتی ہیں۔ ان میں قومی سوال کو بالکل اٹھا دیا جائے مگر یہ ممبریاں کم سے کم ہونی چاہئیں اور استثنائی

صورتوں میں سمجھی جانی چاہئیں۔

نیابت مجالس کا سوال خواہ مرکزی ہوں یا مقامی وہ تو اس طرح آسانی سے حل ہو سکتا ہے لیکن ملازمتوں کے متعلق حقوق کا سوال زیادہ پیچیدہ ہے میرے نزدیک اس سوال کا کوئی ایسا حل نہیں نکل سکتا جو اس سوال کو معقول طور پر حل کر دے کیونکہ ملازمتوں کا سوال سو دو سو آدمیوں کا سوال نہیں بلکہ لاکھوں آدمیوں کا سوال ہے جس میں کام کی قابلیت کا بھی بہت حد تک دخل ہے مگر فتنہ کے دور کرنے کے لئے میرے نزدیک اگر مذکورہ بالا اصول کے مطابق اس کو بھی حل کیا جائے تو ایک حد تک اس سے مشکل رفع ہو سکتی ہے۔ یعنی ہر قوم کو اس کی تعداد کے مطابق ملازمتوں سے حصہ دیا جائے مگر ایسی پابندی نہ کی جائے کہ تھوڑا بہت فرق بھی نہ ہو۔ اگر کسی قوم کے حقوق میں کسی وقت دس پندرہ فی صدی کا فرق پڑ جائے تو اس کا خیال نہیں کرنا چاہئے ہاں یہ نہیں ہونا چاہئے کہ کوئی قوم مستقل طور پر اس قسم کے فرق اپنے حق میں پیدا کرتی چلی جائے۔

جس جس صوبہ میں جو قومیں ملازمتوں پر زیادہ قابض ہیں ان کی بھرتی انہی اصول کے ماتحت جو امپیریل سروس میں انگریزوں کی بھرتی کو کم کرنے کے لئے تجویز کئے گئے ہیں کم کر کے دوسری اقوام کو اس وقت تک بڑھایا جائے کہ وہ اپنے جائز حق پر قابض ہو جائیں۔ اسی طرح تعلیمی اخراجات میں بھی ان قوموں کو زیادہ حصہ دیا جائے جو تعلیم میں پیچھے ہیں اور چاہئے کہ ترقی یافتہ قومیں اس کو خوشی سے قبول کریں۔

لیکن ممکن ہے کہ کبھی یہ سوال پیدا ہو جائے کہ کسی خاص کام کے لئے کسی قوم کے آدمی بالکل میسّر ہی نہیں آتے یا کم میسّر آتے ہیں اگر ایسا ہو تو اس قوم کی مجلس محافظ حقوق کو موقع دیا جانا چاہئے کہ اگر وہ آدمی مہیا کر سکتی ہو تو کر دے۔ لیاقت کے معیار کے لئے یہ کافی ہونا چاہئے کہ امیدوار اس امتحان میں کامیاب ہو چکا ہو جس امتحان کا پاس کرنا اس کام کے لئے شرط مقرر کیا گیا ہے۔

چھٹی شرط معاہدہ صلح کی یہ ہونی چاہئے کہ ہر ایک قوم کا انتخاب اس کی اپنی قوم کے افراد کے ذریعہ سے کیا جائے یعنی نہ صرف یہ شرط ہو کہ ہر ایک قوم کو اس کی تعداد کے مطابق نیابت دی جائے بلکہ یہ بھی شرط ہو کہ ہر قوم کے نمائندے صرف اسی کے ووٹوں سے منتخب کئے جائیں ورنہ طاقتور اور ہوشیار قومیں دوسری اقوام کے ایسے ممبروں کے منتخب کرانے میں کامیاب ہو جائیں گی جو اپنی قوم کا نمائندہ کہلانے کی بجائے دوسری زبردست یا زیادہ تعلیم یافتہ قوم کا نمائندہ

کہلانے کے لئے زیادہ حقدار ہوں گے۔

ساتویں احتیاط یہ ضروری ہے کہ ایسے قواعد تجویز کئے جائیں کہ جن کی موجودگی میں کثیرالتعداد قومیں قلیل التعداد قوموں پر ظلم نہ کر سکیں یا ایسے قواعد نہ بنا سکیں جو ان کے عقائد یا احساسات کے خلاف ہوں۔ پچھلے سمجھوتے میں اس کا تدارک کرنے کے لئے یہ شرط رکھی گئی تھی کہ کسی کے مذہب کے متعلق کوئی ایسا قاعدہ نہیں بنایا جاسکے گا جب تک اس قوم کے تین چوتھائی نمائندے اس کے ساتھ متفق نہ ہوں لیکن یہ سمجھوتہ کافی نہیں تھا۔ مذہبی امور میں دست اندازی بھی گو ممکن ہے لیکن اس تعلیم کے زمانہ میں ایک قوم دوسری قوم پر اس طرح ظلم نہیں کیا کرتی کیونکہ اسے خوف ہوتا ہے کہ دنیا کی رائے عامہ اس کے خلاف ہو جائے گی۔ پس اس امر کا چنداں خوف نہیں کہ کوئی حکومت کبھی اس امر کا قانون بنانا چاہے کہ مسلمان روزے نہ رکھیں یا یہ کہ نماز نہ پڑھیں یا یہ کہ حج نہ کریں۔ جس امر کا خوف ہے وہ یہ ہے کہ ایسے قوانین نہ بنائے جائیں جو بظاہر تو سیاسی یا تمدنی ہوں لیکن ان کا اثر دوسری قوم کے مذہب یا اس کے وقار کے خلاف ہو۔ مثلاً گائے کی قربانی کو بند کر دیا جائے اور مذہبی سوال کی بناء پر نہیں بلکہ یہ کہہ کر کہ ملک میں گائیں کم ہو گئی ہیں اس لئے زراعت اور دودھ، گھی کی حفاظت کے لئے ایسا کیا جاتا ہے اور یہ تمدنی سوال ہے مذہبی نہیں۔ یا یہ کہ ایک سے زیادہ شادیوں کا قانون پاس کر دیا جائے۔ یہ ایسے امور ہیں کہ بظاہر تمدنی نظر آتے ہیں لیکن ان مسائل میں اسلام کو ایک خاص تعلق ہے گائے ہی قربان کرنے کا حکم مسلمانوں کو نہیں ہے لیکن گائے کی قربانی کے معاملہ میں چونکہ ہندو مسلم تعلقات کو دخل ہے اس لئے ایسا قانون سیاسی نہیں بلکہ مذہبی دست اندازی سمجھا جائے گا۔ ایک سے زیادہ بیویاں کرنے کا حکم اسلام نہیں دیتا مگر چونکہ اس اسلامی رخصت پر دنیا اعتراض کرتی ہے اس امتیاز کے خلاف قانون پاس کرنے کے معنے ہی یہ ہوں گے کہ اسلام کے احکام کے ناقص ہونے کا فیصلہ دیا گیا ہے کیونکہ ایسے امور کا تقاضا سیاست ملکی نہیں کرتی بلکہ اصلاح تمدن ان کا مقتضی ہوتا ہے پس ان امور میں کسی مذہب کی اجازت کے خلاف فیصلہ کرنے کے یقیناً یہ معنے ہیں کہ اس کی اجازت کو ناواجب قرار دیا گیا ہے۔

غرض جن امور میں اختلاف اور ظلم کا خوف ہے وہ ایسے امور ہیں کہ جن میں یہ بین الاقوامی اختلاف ہے یا اسلام جن میں دوسری قوموں کے سامنے محل اعتراض ہے پس سمجھوتے میں یہ نہیں ہونا چاہئے کہ مذہبی امور میں ایک قوم دوسری قوم کے خلافِ منشاء قانون نہیں بنا سکتی بلکہ

یہ بھی شرط چاہئے کہ اس کے مخصوص تمدنی قوانین کے خلاف بھی قانون نہیں بنا سکتی اور نہ ان امور کے متعلق جو دو قوموں میں مَابِہِ النِّزَاع ہوں جیسے گائے کی قربانی کا سوال ہے۔

اور پھر یہ بھی شرط ہونی چاہئے کہ ایسے امور میں نہ صرف مذاہب کے کثیر التعداد فرقوں کے خیالات کا احترام کیا جائے گا بلکہ اگر قلیل التعداد فرقہ کثیر التعداد کے خلاف ہو تو اس کے لئے بھی کوئی قانون اس کی مرضی کے خلاف نہیں بنایا جائے گا۔ مثلاً اگر ایک امر کے متعلق حنفی المذہب ممبر متفق ہو جائیں لیکن شیعہ یا اہلحدیث یا احمدی اس کے خلاف ہوں تو اس مذہبی یا تمدنی اصول پر اثر رکھنے والے قانون کا ان پر نفاذ نہ ہو سکے گا۔

آٹھویں بات جس کا تصفیہ اصلاح بین الاقوام کے لئے ضروری ہے یہ ہے کہ ایسے قوانین بنائے جائیں جن کی مدد سے اُس وقت کہ دو قوموں میں جھگڑا پیدا ہو جائے فساد کو روکا جاسکے اور اس کو پھیلنے نہ دیا جائے۔ مجھے افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ پچھلے تمام فیصلوں میں اس امر کو بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے اس لئے جب بھی فساد پڑا ہے اس کا روکنا بالکل ناممکن ہو گیا ہے کیونکہ فساد کی صورت کے رونما ہونے کے بعد طبائع جوش میں آجاتی ہیں اور اس وقت ان کو وہی شخص اچھا لگتا ہے جو ان کے جوش کے خیالات کا مؤید ہو ایسے وقت میں بعض شرپسند آدمی اٹھ کر مشتعل شدہ طبائع کو اور بھی بھڑکا کر ان کے لیڈر بن جاتے ہیں اور فساد ان حدود سے نکل جاتا ہے جن میں اسے مقیّد رکھا جاسکتا تھا۔

دوسرے یہ نقص ہوتا ہے کہ چونکہ فسادات کے روکنے یا ان کو آگے نہ بڑھنے دینے کے لئے کوئی ذریعہ قبل از وقت مقرر نہیں ہوتا اس بات کے متعلق سوچتے سوچتے کہ اس کا کیا علاج کیا جائے لوگ اس امر سے مایوس ہو جاتے ہیں کہ کوئی بیرونی طاقت ہمارا فیصلہ کرے گی اور وہ خود ہی فیصلہ کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں جس کے جو نتائج پیدا ہوتے ہیں ظاہر ہی ہیں۔

تیسرا نقص یہ ہوتا ہے کہ چونکہ ایسا کوئی ذریعہ نہیں جس سے صحیح طور سے کسی فریق پر ذمہ داری عائد کی جاسکے اس لئے ذمہ داری کے معیّن نہ ہونے کی وجہ سے ظالم فریق بھی شور مچاتا رہتا ہے کہ میں مظلوم ہوں اور مظلوم فریق کا غصہ اس حالت کو دیکھ کر اور بڑھ جاتا ہے اور یہ نقص بھی ہوتا ہے کہ ذمہ داری کے معیّن نہ ہونے کے سبب سے ظالم فریق کے ہم مذہب بھی طبعاً اس سے ہمدردی کا اظہار کرتے ہیں جس سے مظلوم فریق کے احساسات کو اور بھی ٹھوکر لگتی ہے۔

ان نقائص کے دور کرنے کے لئے عام طور پر ہمیں مندرجہ ذیل اصول کے ماتحت ایک خاص انتظام ہندوستان کی اقوام کے ساتھ مل کر کرنا چاہئے۔

ہر تین سال کے لئے ایک محکمۂ تفتیش تمام اقوام ہند کی طرف سے مقرر کیا جائے جس کا یہ کام ہو کہ بین الاقوامی فسادات کے موقع پر اصل اسباب کو معلوم کرے۔ اور اس کے متعلق اپنی رپورٹ کو فوراً شائع کرے۔ اس جماعت میں ہندو، مسلمان، سکھ، پارسی، ادنیٰ اقوام اور مسیحیوں وغیرہ کے نمائندے ہوں جن کو مندرجہ ذیل طریق سے یا اور کسی احسن طریق سے منتخب کیا جا سکتا ہے۔ دو ثُلث نمائندوں کو تو خود ان قوموں کی انجمنیں منتخب کریں اور ایک ثُلث نمائندے تمام اقوام ہند میں سے مذکورہ بالا منتخب شدہ نمائندے منتخب کریں۔ اس انتخاب میں اس امر کا لحاظ رکھا جائے کہ ہر صوبہ میں اس مجلس کے نمائندے موجود رہیں تاکہ قوم کی نمائندہ جماعت کی اپیل پر فوراً وہ مقام ضرورت پر پہنچ کر واقعہ کی تفتیش کریں اس جماعت مفتّشہ کے لئے یہ ضروری ہونا چاہئے کہ باقاعدہ تفتیش کرے دونوں فریق کو اپنے وکلاء (جن کے لئے یہ شرط نہیں کہ قانونی معنوں میں وکیل ہوں) اور گواہ پیش کرنے کا اور دونوں طرف کے گواہوں پر جرح کا موقع دے اور مفصّل بیانات و جرح لکھ کر بادلیل فیصلہ لکھے۔ اس جماعت کو بہ رضامندی فریقین صلح کرانے کا بھی حق ہونا چاہئے اس صورت میں اس کو مفصل تحقیقات کرنے کی ضرورت نہ ہوگی اس انتظام کی تفصیل اسی طرح طے کی جا سکتی ہے کہ ہر وقت فساد کے موقع پر ایک قابل اعتماد جماعت تفتیش کے لئے جا سکے اور چونکہ یہ لوگ اختلاف کی صورت کے پیدا ہونے سے پہلے مقرر ہو چکے ہوں گے اس لئے ان لوگوں پر لوگ اعتبار بھی کریں گے اور یہ خود بھی تعصب سے بہت حد تک محفوظ ہونگے اور جھگڑوں کے مٹانے یا ذمہ داریوں کے قائم کرنے میں بہت مُمِد ہونگے۔

اگر صلح نہ ہو اور تحقیقات کی بناء پر ایک فریق پر ظلم ثابت ہو جائے تو اس صورت میں اس فریق کے ہم قوموں یا ہم مذہبوں کا فرض ہو گا کہ وہ اس کی ہمدردی سے باز رہیں اور اس کو مجبور کریں کہ وہ اپنے ظلم کی تلافی کرے اور اگر ظالم ایسا نہ کرے تو اسے تمدنی سزا دیں۔ اور اگر کوئی قوم اپنے ہم قوم ظالم سے ایسا معاملہ نہ کرے تو سمجھا جائے گا کہ اس قوم نے غداری کی ہے اور معاہدہ کو توڑ دیا ہے۔

جس وقت تک کہ ملک میں یہ روح نہ پیدا ہو جائے کہ ظالم کی حمایت سے اجتناب کیا جائے

خواہ ظالم اپنا عزیز ہی کیوں نہ ہو اس وقت تک صلح ہرگز قائم نہیں رہ سکتی۔ اور اگر یہ رویہ رہا کہ شاہ آباد کے مظالم پر ہندوؤں نے پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ اور مالابار کے مظالم پر مسلمانوں نے تو صلح کا خیال کبھی بھی حقیقت کا جامہ نہیں پہنے گا اور ملک خونریزی اور فساد کی آفتوں سے کبھی بھی محفوظ نہیں ہو سکے گا۔

نواں امر جو صلح کے دائمی رکھنے کے لئے ضروری ہے اور جس کے بغیر ایک دوسرے پر اعتماد ہو ہی نہیں سکتا وہ یہ ہے کہ ایسی تدابیر اختیار کی جائیں کہ یہ معاہدات ہمیشہ کے لئے قائم رہیں اور اس امر کا امکان نہ رہے کہ جب کوئی کثیر التعداد جماعت اس امر کو محسوس کرے کہ اب مجھے قلیل التعداد جماعتوں کی ہمدردی حاصل کرنے کی ضرورت نہیں اور میں اس کی مدد کے بغیر کام چلا سکتی ہوں تو وہ ان معاہدات کے خلاف قانون پاس کردے یا یہ قانون پاس کردے کہ اب ان معاہدات کی ضرورت نہیں رہی۔

عام ملکی قواعد کی رو سے ہر ایک حکومت کی کثرت رائے کو ایسا حق حاصل ہے اور وہ ایسا کر سکتی ہے پس اس کا سدباب ضروری ہے کہ آئندہ کبھی مذکورہ بالا معاہدہ میں تبدیلی نہ ہو سکے مگر ساتھ ہی اس امر کا خیال ضروری ہے کہ بعض حالات ایسے پیدا ہو سکتے ہیں کہ جن کی موجودگی میں وہی قوانین جو آج قلیل التعداد جماعتوں کے لئے رگِ گردن کی طرح ضروری ہیں کل اس جماعت اور تمام ملک کے لئے مُضِر ہوں مثلاً انتخاب جداگانہ کا قاعدہ ہی ہے اگر تمام اقوام میں کامل اعتماد پیدا ہو جائے اور دلی کدورتیں بالکل صاف ہو جائیں تو اس وقت اس قاعدہ پر کاربند رہنا ایسا ہی مُضِر ہو گا جیسا کہ اس وقت اس کا ترک کرنا۔ پس کوئی ایسی راہ بھی کشادہ رہنی چاہئے جس کے ذریعہ سے ایسے اوقات میں ازالہ نقص کیا جا سکے۔ ان سب امور کا لحاظ میرے نزدیک مندرجہ ذیل اصول کے قبول کر لینے سے ہو جاتا ہے۔

(الف) ان اقوام و مذاہب کو جو اس وقت ہندوستان میں موجود ہیں ہندوستان سے باہر نکالنے یا ان کے حقوق کو دوسری اقوام کے مقابلہ میں محدود کرنے کا فیصلہ کرنے کا کبھی کسی کثیر التعداد جماعت یا جماعتوں کو حق نہ ہو گا۔

یہ شرط گو اس وقت مضحکہ انگیز معلوم ہوتی ہے لیکن اگر ہندوستانی سچے طور پر حکومت خود اختیاری کے متمنّی ہیں تو ان کو ایسے امکانات کے احتمال کو بھی ماننا پڑے گا۔ اس قسم کا خیال آج سے پندرہ سال پہلے مشرقی افریقہ کے متعلق ایسا ہی مضحکہ انگیز تھا جیسا کہ آج کل مذکورہ بالا خیال

ہندوستان کے متعلق ہو سکتا ہے مگر آج وہ ایک حقیقت بنا ہوا ہے اور ہندوستانیوں کو پریشان کر رہا ہے۔

(ب) جو امور کہ اس بین الاقوامی معاہدہ میں طے ہوں وہ صرف اسی صورت میں بدلے جا سکیں جب وہ مندرجہ ذیل حالات سے گزر جائیں۔ (اول) وہ قوم جس پر معاہدہ کے کسی حصہ کے بدلنے کا اثر پڑتا ہے اس کی مجلس نوّاب کے منتخب شدہ نمائندوں کی تین چوتھائی اس تبدیلی کو پسند کر لے (دوم) اس کے بعد جب مجلس نمائندگان کا نیا انتخاب ہو تو بشرطیکہ اس انتخاب اور پہلے فیصلہ میں کم سے کم دو سال کا فاصلہ ہو پھر مجلس نمائندگان میں اس تبدیلی کے سوال کو پیش کیا جائے۔ اگر پھر بھی اس قوم کے نمائندے اس کو قبول کر لیں تو پھر تیسری دفعہ منتخب ہونے والی مجلس نمائندگان میں اس سوال کو پیش کیا جائے بشرطیکہ اس تیسری دفعہ کی منتخب شدہ مجلس کا انتخاب دوسرے دفعہ کے فیصلہ کے دو سال بعد ہوا ہو۔ جب اس طرح تین دفعہ کسی قوم کے نمائندوں کے تین چوتھائی ممبر کسی خاص معاہدہ میں تبدیلی کو پسند اور منظور کر لیں تو ایسی تبدیلی جائز ہو اور اسے کانسٹی ٹیوشن (CONSTITUTION) کی تبدیلی قرار دیا جائے۔

لیکن اس پر بھی یہ مزید شرط لگائی جائے کہ اگر دس سال کے عرصہ میں پھر اس قوم کے مجلس نمائندگان کے ممبر کسی وقت کثرت رائے سے اصل معاہدے کی تجویز کردہ حالت کی طرف لوٹنے کا فیصلہ کریں تو بعد کا تغیر کالعدم ہو کر پھر اصل معاہدہ پر عمل کیا جائے۔

(ج) یہ کہ یہ معاہدہ ملک کی کانسٹی ٹیوشن میں داخل سمجھا جائے اور اس کے خلاف کرنے والی جماعت کو باغی قرار دیا جائے خواہ وہ اس وقت مجلس نمائندگان میں کثرت ہی کیوں نہ رکھتی ہو اور ملک کی حکومت پر قابض ہی کیوں نہ ہو۔ اور اس کے خلاف ہر ممکن تدبیر کرنے کی اور اصل قانون کو قائم کرنے کی خواہ زور اور طاقت کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو دوسری قوم یا قوموں کو اجازت ہو اور ان کا یہ فعل بغاوت قرار نہ دیا جائے۔

میں سمجھتا ہوں کہ بہت سے لوگ ان امور کو قبل از وقت کہیں گے لیکن پچھلی تاریخ اور موجودہ سیاست کے گہرے مطالعہ کے بعد یہ بات روز روشن کی طرح ثابت ہے کہ ان امور کے آج ہی سے تصفیہ کر لینے کے بغیر قوموں میں باہمی اعتبار بھی پیدا نہیں ہو سکتا اور نہ قلیل التعداد قوموں کے حقوق محفوظ رہ سکتے ہیں۔ ان کے بغیر اگر صلح ہو گی تو اس کے ساتھ یہ منافقت برابر جاری رہے گی کہ مسلمان بیرونی طاقتوں کے گھمنڈ اور ہندو اپنی تعداد' مال اور علم کی زیادتی کے

نخر میں زبان سے گو کچھ کہیں دلوں میں کچھ اور ہی کھچڑیاں پکاتے رہیں گے لیکن مذکورہ بالا تدابیر پر عمل کر لینے سے میں امید کرتا ہوں کہ اعتماد اور اعتبار کی صورت پیدا ہو جائے گی اور اختلافات یا پیدا ہی نہ ہوں گے یا ان کا فوراً سدِّباب ہو سکے گا۔

اس جگہ یہ بھی لکھ دینا مناسب سمجھتا ہوں کہ ان تدابیر پر کامل طور پر عمل تبھی ہو سکتا ہے جب علاوہ قومی مجالس کے کانگرس جو سب ملک کی نمائندہ ہونے کا دعویٰ کرتی ہے اس کی بنیاد بھی انہی اصول پر رکھی جائے جو مسلم لیگ کے متعلق میں اوپر بیان کر چکا ہوں تا وہ حقیقی طور پر سارے ملک کی قائم مقام ہو جس طرح کہ اب وہ خاص خیال کے لوگوں کی قائم مقام ہے کیونکہ اس صورت میں کانگرس تمام قومی مجالس کے لئے بمنزلہ ایک میزبان کے ہو جائے گی اور معاہدات کی پابندی کرانے میں ایک زبردست آلہ کا کام دیگی مگر جب تک وہ اپنے دروازہ کو سب قسم کے خیالات کے لوگوں کے لئے نہ کھولے اور مخالف خیال رکھنے والی جماعتوں کو اپنے صحن سے باہر کام کرنے پر مجبور کرتی رہے اس سے ایسی امید رکھنی ناممکن ہے۔

اے برادران! یہ مختصر خاکہ ہے اس سکیم کا جس پر عمل کرنے سے میرے نزدیک مسلمانوں کے اپنے حقوق بھی محفوظ ہو سکتے ہیں اور دوسری قوموں سے بھی ان کے تعلقات درست ہو سکتے ہیں۔ میں نے باوجود کم فرصتی اور کاموں کی کثرت کے آپ لوگوں کے سامنے اس سکیم کو پیش کر دیا ہے اور میں امید رکھتا ہوں کہ جس اخلاص سے یہ لکھی گئی اسی اخلاص سے آپ اس پر غور فرمائیں گے۔ مسلمانوں کی بہتری اور ہندوستان کی کُل دنیا کے امن کا خیال جس زور سے میرے دل میں موجزن ہے آپ لوگ اس کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ اللہ تعالیٰ اس امر پر شاہد ہے کہ میرا سینہ آپ لوگوں کی خیر خواہی کے جذبات سے پُر ہے اور میرے دماغ ان خیالات سے معمور۔ میں یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کا ایک لفظ بھی بدلا نہیں جا سکتا مگر میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ جو کچھ میں نے لکھا ہے اس کی حقیقت اور اس کا مغز بالکل درست ہے اور خدا تعالیٰ کے منشاء کے مطابق اور اس کی مشیّت کے موافق ہے ان میں سے کئی باتیں ایسی ہیں جن کی پہلے زمانہ مخالفت کرتا تھا مگر آج خود ادھر چلا آرہا ہے اور بعض ایسی ہیں کہ آئندہ واقعات ان کی تصدیق کر دیں گے مگر انشاء اللہ تعالیٰ آپ لوگ دیکھیں گے کہ ہو گا اسی طرح جس طرح میں نے لکھا ہے صلح اور امن دنیا کی اہم ضروریات میں سے ہیں اور اس ذریعہ کو اختیار نہ کریں تو ہم ہرگز کامیاب نہیں ہو سکتے۔ پس جب تک ہم اس ذریعہ کو اختیار نہیں کریں گے جو صلح کے قیام کے لئے ممد ہے

ہم ہرگز صلح اور امن کا منہ نہیں دیکھ سکتے۔ آپ لوگ جن کو خدا تعالیٰ نے اپنے اپنے علاقہ میں رسوخ اور عزت دی ہے خدا تعالیٰ کے حضور میں دوسروں سے زیادہ جواب دہ ہیں پس چاہئے کہ بلا تعصّب ان امور پر غور فرماویں جو میں نے پیش کئے ہیں اور میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی محنت رائیگاں نہیں جائے گی آپ خدا تعالیٰ کے حضور میں بھی مبارک گنے جائیں گے اور آئندہ نسلوں میں بھی آپ کا نام عزت سے قائم رکھا جائے گا۔ میں اس تحریر کے ذریعہ سے اپنا فرض ادا کر چکا ہوں اور اب آپ سے جدا ہوتا ہوں۔ وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

---

۱ اسلامی اصول کی فلاسفی۔ صفحہ ا روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۳۱۵ (مفہوماً)

۲ آریہ دھرم صفحہ ۱۰۳۔ روحانی خزائن جلد ۱۰ صفحہ ۱۰۳ (مفہوماً)